

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

قرآن مجید میں ایک قاعدہ کلیہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ کسی قوم کو خواہ مخواہ

برباد کر دے ورنہ خالی کہ وہ صالح اور نیکو کار ہو۔

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے تباہ کر دے حالانکہ

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيَمْلِكَ الْقُرْآنَ بِظُلْمٍ

ان کے باشندے نیک عمل کرنے والے ہوں۔

وَأَهْلُهَا مُصِلُونَ (۱۰: ۱۱)

ہلاک اور برباد کر دینے سے مراد صرف یہی نہیں کہ بستیوں کے طبقے الٹ دیے جائیں، اور آبادیوں کو موت

کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قوموں کا شیرازہ بکھیر دیا جائے، ان کی اجتماعی قوت

توڑ دی جائے ان کو محکوم و مغلوب اور ذلیل و خوار کر دیا جائے۔ قاعدہ مذکورہ کی بنا پر بربادی اور ہلاکت

کے جلد اتمام میں سے کوئی قوم بھی کسی قوم پر نازل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خیر و صلاح کے راستے کو چھوڑ کر، شرف و

اور سربکشی و نافرمانی کے طریقوں پر نہ چلنے لگے اور اس طرح خود اپنے اوپر ظلم نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قاعدہ

مخوط رکھ کر جہاں کسی قوم کو قبلانے عذاب کرنے کا ذکر فرمایا ہے، وہاں اس کا جرم بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا

ہے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ وہ ان کی اپنی ہی شامت اعمال ہے جو ان کی دنیا اور آخرت دونوں کے

خواب کرتی ہے فُكَلًّا اخَذْنَا بِذُنُوبِهِمْ..... وَمَا كَانَتِ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ - (۴:۲۹)۔

دوسری بات جو اس قاعدہ سے نکلتی ہے یہ ہے کہ ہلاکت و بربادی کا سبب انفرادی شرف و فساد نہیں ہے بلکہ اجتماعی اور قومی شرف و فساد ہے۔ یعنی اعتقاد اور عمل کی خرابیاں اگر متفرق طور پر افراد میں پائی جاتی ہوں، لیکن مجموعی طور پر قوم کا دینی و اخلاقی معیار اتنا بلند ہو کہ افراد کی برائیاں اس کے اثر سے دلی رہیں، تو خواہ افراد علیحدہ علیحدہ کتنے ہی خواب ہوں، قوم عیشیت مجموعی سنبھلی رہتی ہے اور کوئی فتنہ عام برپا نہیں ہوتا جو پوری قوم کی بربادی کا موجب ہو۔ مگر جب اعتقاد اور عمل کی خرابیاں افراد سے گذر کر پوری قوم میں پھیل جاتی ہیں اور قوم کا دینی احساس اور اخلاقی شعور اس درجہ ماؤف ہو جاتا ہے کہ اس میں خیر و صلاح کے بجائے شرف و فساد کو پھلنے اور چھوٹنے کا موقع ملنے لگے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ایسی قوم سے پھر جاتی ہے اور وہ عزت کے مقام سے ذلت کی طرف گرنے لگتی ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ کا غضب اس پر بھڑک اٹھتا ہے اور اس کو بالکل تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس کی بجزرت مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

قوم نوح کو اس وقت برباد کیا گیا جب اعتقاد و عمل کی خرابیاں ان کے اندر چھوڑ چکے تھیں اور زمین میں پھیلنے لگیں، اور یہ امید ہی باقی نہ رہی کہ اس شجر خیمیت سے کبھی کوئی اچھا نسل بھی پیدا ہوگا۔ تب حضرت نوح نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ:-

رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا
يَسْجُودُ دُكَّارِينَ يَكْفُرُونَ بِكَ وَكَيْفَ تَعْلَمُ
إِنَّكَ إِنْ تَذَرْتَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا
إِلَّا أَفْجَارًا كَفَّارًا - (۲:۴۱)

یسرے پورے دککارین پر کافر نہیں ایک کو بھی نندہ چھوڑا کرتے ان کو
چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل
جو پیدا ہوگا بندگان اور سخت کافر ہی پیدا ہوگا۔

قوم عاد کو اس وقت تباہ کیا گیا جب شر اور فساد نے ان کے دلوں میں یہاں تک سرکھ کر لیا کہ شیریں اور مفسد اور ظالم ان کی قوم کے لیڈر اور حاکم بن گئے، اور اہل خیر و صلاح کے لیے نظام اجتماعی میں کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا
سُرْسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (۵۰:۱۱)
اور وہ عاد ہیں جنہوں نے اپنے رب کے احکام سے انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جبار دشمن جس کا اتباع کیا قوم لوط کو اس وقت ہلاک کیا گیا جب ان کا اخلاقی شعور اتنا باطل ہو گیا، اور ان میں بے حیائی یہاں

بڑھ گئی کہ علانیہ مخلصوں اور بازروں میں فواحش کا ارتکاب کیا جانے لگا، اور فواحش کے فواحش ہونے کا احساس ہی
أَسْتَكْبَرُوا لَنَا تَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ
لوٹنے کہا) کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے
وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ لِلنُّكْرِ (۳۰:۲۹)
ساتوں میں لوگوں کو چھپرتے اور ساتے ہو اور اپنی محفلوں میں یہاں

اہل مدین پر اس وقت عذاب نازل ہوا جب پوری قوم خائن اور بد معاملہ اور بے ایمان ہو گئی کہ تم تو نانا اور زیادہ لینا کوئی عیب نہ رہا، اور قوم کا اخلاقی احساس یہاں تک فنا ہو گیا کہ جب ان کو اس عیب پر ملامت کیجاتی تو شرم سے سر جھکا لینے کے بجائے وہ الٹا اس ملامت کرنے والے کو ملامت کرتے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ ان میں کوئی ایسا عیب بھی ہے جو ملامت کے قابل ہو۔ وہ اپنی بد کاریوں کو بُرا نہ سمجھتے بلکہ جو انہیں بُرا کہتا اسی کو برسرِ غلط لائق سزائش خیال کرتے۔

وَيَقَوْمًا ذُكُوا الْبِكْيَالِ وَالْمِيزَانَ بِالْقِطْرِ
وَلَا يَنْجُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ وَلَا نَعَمُوا
فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ..... قَالُوا إِنَّا شُعَيْبٌ
مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِمَّا نَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ
فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا هَظْمُكَ لَرَجَمْنَاكَ (۸۰:۱۱)
رشیب علیہ السلام نے کہا) اور اے میری قوم کے لوگو! انصاف کیساتھ ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ..... انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! جو باتیں تو کہتے ان میں سے تو اکثر ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ہم تو تجھے اپنی قوم میں کمزور پاتے ہیں اگر تیرے قبیلہ ہوتا تو ہم تجھے نکلے دیتے

بنی اسرائیل کو ذلت و سکت اور غضب و لعنت الہی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ اس وقت صادر ہوا۔ انہوں نے بدی اور ظلم اور حرام خواری کی طرف لپکنا شروع کیا، ان کی قوم کے پیو ا مصلحت پرستی کے مرض میں مبتلا ہو گئے، ان میں گناہوں کے ساتھ رواداری پیدا ہو گئی اور ان میں کوئی گروہ ایسا نہ رہا جو عیب کو عیب کہنے والا اور اسے روکنے والا ہوتا۔

تو ان میں سے اکثر کو دیکھتا ہے کہ گناہ اور حد و تجاوز اور حرام خواری کی طرف لپکتے ہیں کیسی بری حرکتیں تھیں جو وہ کرتے تھے کیوں نہ ان کے مشائخ اور علماء نے ان کو بری باتیں کہنے اور حرام کے مال کھانے سے منع کیا؟ یہ بہت برا درگزر تھا جو وہ کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کرائی گئی اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور وہ حد سے گزر جاتے تھے۔ وہ ایک سرگے بڑے افعال سے نہ روکنے تھے۔

تو ان میں سے اکثر کو دیکھتا ہے کہ گناہ اور حد و تجاوز اور حرام خواری کی طرف لپکتے ہیں کیسی بری حرکتیں تھیں جو وہ کرتے تھے کیوں نہ ان کے مشائخ اور علماء نے ان کو بری باتیں کہنے اور حرام کے مال کھانے سے منع کیا؟ یہ بہت برا درگزر تھا جو وہ کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کرائی گئی اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور وہ حد سے گزر جاتے تھے۔ وہ ایک سرگے بڑے افعال سے نہ روکنے تھے۔

اس آخری آیت کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث منقول ہیں وہ قرآن حکیم کے مقصد کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہیں۔ سب روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا۔

بنی اسرائیل میں جب بدکاری پھیلنی شروع ہوئی تو حال یہ تھا کہ ایک شخص اپنے بھائی یا دوست یا ہمسایہ کو برا کام کرتے دیکھتا تو اس کو منع کرتا اور کہتا کہ اسے شخص خدا کا خوف کر۔ مگر اس کے بعد وہ اسی شخص کے ساتھ گھل مل کر بیٹھتا اور یہ بدی کا مشاہدہ اس کو اس بدکار شخص کیساتھ میل جول اور کھانے پینے میں شرکت سے نہ روکتا۔ جب ان کا یہ حال ہو گیا تو ان کے دل تو

ایک دوسرے کا اثر چڑکیا اور اللہ نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا اور ان کے نبی
داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی۔

راوی کہتا ہے کہ جب حضور سلسلہ تقریریں اس مقام پر پہنچے تو جوش میں آکر اٹھ بیٹھ اور فرمایا۔
”قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے کہ یہ کی حکم کرو۔
بدی سے روکو اور جس کو بُرائی کرتے دیکھو اس کا ہاتھ پکڑو اور اسے راہ راست کی طرف
موڑ دو اور اس معاملہ میں ہرگز رواداری نہ برتو، ورنہ اللہ تمہارے دلوں پر بھی ایک دوسرے
کا اثر ڈالے گا، اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح نبی اسیرال پر کی۔“

اعتقاد اور عمل کے فساد کا حال و بانی امراض کا سبب ہے۔ ایک و بانی مرض ابتدا میں چند کمزور افراد
پر حملہ کرتا ہے اگر آب و ہوا اچھی ہو، حفظانِ صحت کی تدابیر درست ہوں، نجاستوں اور کثافتوں کو دور کرنے کا
کافی انتظام ہو، اور مرض سے متاثر ہونے والے مریضوں کا بروقت علاج کر دیا جائے، تو مرض، وبالے عام کی صورت
اختیار کرنے نہیں پاتا اور عام لوگ اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن اگر طبیب غافل ہوں حفظانِ صحت کا محکمہ بے پروا ہو
صفائی کے منتظم نجاستوں اور کثافتوں کے روادار ہو جائیں، تو رفتہ رفتہ مرض کے جراثیم فضا میں پھیلنے لگتے ہیں،
اور آب و ہوا میں سرایت کر کے اس کو آنا خراب کر دیتے ہیں کہ وہ صحت کے بجائے مرض کے لیے سازگار ہو
جاتی ہے۔ آخر کار جب بستی کے عام افراد کو ہوا، پانی، غذا، لباس، مکان غرض کوئی چیز لگدگی اور سمیت سے پاک
نہیں ملتی تو ان کی قوت حیات جواب دینے لگتی ہے اور ساری ساری آبادی وبالے عام میں مبتلا ہو جاتی ہے
پھر قوی سے قوی افراد کے لیے بھی اپنے آپ کو مرض سے بچانا مشکل ہو جاتا ہے، خود طبیب اور صفائی کے منتظم اور
صحت عامہ کے محافظ بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور وہ لوگ بھی ہلاکت سے محفوظ نہیں رہتے جو اپنی حد تک
حفظانِ صحت کی جملہ تدبیریں اختیار کرتے ہیں اور دوائیں استعمال کرتے رہتے ہیں کیونکہ ہوا کی سمیت، پانی کی

گندگی، وسائل غذا کی خرابی، اور زمین کی کثافت کا ان کے پاس کیا علاج ہو سکتا ہے۔

اسی پر اخلاق و اعمال کے فساد اور اعتقاد کی گمراہیوں کو بھی قیاس کر لیجئے۔ علماء، قوم کے طبیب ہیں حکام اور اہل دولت، صفائی اور حفظانِ صحت کے ذمہ دار ہیں قوم کی غیرت! ایمانی اور حاسہ اخلاقی بمنزلہ قوتِ حیات (Vitality) ہے، اجتماعی ماحول کی حیثیت وہی ہے جو ہوا پانی غذا اور لباس و مکان کی ہے، اور حیاتِ قومی میں دینِ اخلاق کے اعتبار سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وہی مقام ہے جو صحت جسمانی کے اعتبار سے صفائی و حفظانِ صحت کی تدابیر کا ہے۔ جب علماء اور اولی الامر اپنے اہلی فرض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ دیتے ہیں، اور شر و فساد کے ساتھ رواداری برتنے لگتے ہیں تو گمراہی اور بد اخلاقی قوم کے افراد میں پھیلنی شروع ہو جاتی ہے اور قوم کی غیرت ایمانی ضعیف ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا اجتماعی ماحول فاسد ہو جاتا ہے۔ قومی زندگی کی فضا، غیر و صلاح کے لیے نامساعد اور شر و فساد کے لیے سازگار ہو جاتی ہے لوگ نیکی سے پہلے گنہگار ہیں، اور بدی سے نفرت کرنے کے بجائے اس کی طرف کھینچنے لگتے ہیں، اخلاقی قدریں الٹ جاتی ہیں، عیب منہ بن جاتے ہیں، اور منہ عیب ساس وقت گمراہیاں اور بد اخلاقیوں کو بھلتی پھرتی ہیں، اور بھلائی کا کوئی بیج بگ و بار لانے کے قابل نہیں رہتا، زمین ہوا اور پانی سب اس کو پرورش کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کی ساری قوتیں اشجارِ ضعیفہ کو نشوونما دینے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں جب کسی قوم کا یہ حال ہو جاتا ہے، تو پھر وہ عذابِ الہی کی مستحق ہو جاتی ہے، اور اس پر ایسی عام تباہی نازل ہوتی ہے جس کے کوئی نہیں بچتا، خواہ وہ خانقاہوں میں بیٹھا عبادت گزار ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔

اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ :-

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً (۲۰: ۸) جو اس فتنہ سے جو صرف انہی لوگوں کو متلائے مصیبت نہ کرے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نشانہ اس سے یہ ہے کہ بدی کو اپنے سامنے نہ ٹھیرنے دو، کیونکہ اگر تم بدی سے رواداری کرو گے اور اس کو پھیلنے دو گے تو اللہ کی طرف سے عذاب عام نازل ہوگا اور اس کی پیٹ میں اچھے اور برے سب آجائیں گے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ:-

انَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلٍ خَاصَّةٍ
 حَتّٰی يَرُوْا الْمُنْكَرِيْنَ لَهْرًا يَنْهَرُوْهُ
 قَادِرٌ وَّنَ عَلٰى اَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَآ يُنْكِرُوْهُ
 فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْخَاصَّةَ
 وَالْعَامَّةَ

اللہ خاص لوگوں کے عمل پر عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا۔ مگر جب وہ اپنے سامنے بدی کو دیکھیں اور اس کو روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کو نہ روکیں تو اللہ خاص اور عام سب کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔

قوم کی اخلاقی اور دینی صحت کو برقرار رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اس کے ہر فرد میں غیر ایمانی اور حاسدہ اخلاقی موجود ہو، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع لفظ "حیا" سے تعبیر فرمایا ہے۔ حیا، دراصل ایمان کا ایک جزو ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَيَّاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ بلکہ ایک موقع پر جب حضور سے عرض کیا گیا کہ حیا، دین کا ایک جزو ہے، تو آپ نے فرمایا بَلْ هُوَ الدِّيْنُ كُلُّهُ، یعنی وہ پورا دین ہے۔

حیا سے مراد یہ ہے کہ بدی اور معصیت سے نفس میں طبعی طور پر انقیاض پیدا ہو، اور دل اس نفرت کرے جس شخص میں یہ صفت موجود ہوگی وہ نہ صرف قبائح سے اجتناب کرے گا بلکہ دوسروں میں بھی اس کو برداشت نہ کرے گا۔ وہ برائیوں کے دیکھنے کا روادار نہ ہوگا ظلم اور معصیت سے مسامحت کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ جب اس کے سامنے قبائح کا ارتکاب کیا جائے گا تو اس کی غیرت ایمانی جوش میں آجائی اور وہ اس کو ہاتھ سے یا زبان سے مٹانے کی کوشش کرے گا، یا کم از کم اس کا دل اس خواہش سے بے چین

ہو جائیگا کہ اس برائی کو مٹا دے۔

مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ
فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلسَانِهِ فَبِإِيمَانِهِ
وَذَلِكَ أَضْعَفُ لَإِيمَانِهِ

تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے اور اگر یہی نہ کر سکتا ہو تو دل سے اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔

جس قوم کے افراد میں عام طور پر یہ صفت موجود ہوگی اس کا دین محفوظ رہے گا اور اس کا اخلاقی معیار کبھی نہ گر سکے گا، کیونکہ اس کا ہر فرد دوسرے کے لیے محنت اور نگران ہوگا اور عقیدہ و عمل کے فساد کو اس میں داخل ہونے کے لیے کوئی راہ نہ مل سکے گی۔

قرآن مجید کا مقصد دراصل ایسی ہی ایک آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے، جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور اپنی فطری عینیت و حیا اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر احتساب اور نگرانی کا فرض انجام دے اور کسی اجرت کے بغیر خدائی فوجدار بنا پھرے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (۲: ۱۷۷)

اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل و معتدل امت بنا دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر نگران رہو اور رسول تم پر نگران رہے۔

اسی لیے بار بار مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ سکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا تمہارا قومی خاصہ ہے جو ہر مومن مرد اور عورت میں متحقق ہونا چاہیے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَارُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ (۳: ۱۱۲)

تم بہترین قوم ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے تم سچی کا حکم کرتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ (۹: ۹)

مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کے مددگار
ہیں نیکی کا حکم کرتے اور بدی سے روکتے ہیں۔

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَالْحِفْظُونَ لِيُحَدِّثَ اللَّهُ (۱۳: ۹)
الَّذِينَ إِن تَلْتَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَتَوْا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا
عَنِ الْمُنْكَرِ (۶: ۲۲)

وہ نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے روکنے والے اور
حدودِ الہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اگر زمین میں حکومت بخشیں گے تو
یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے
اور بدی سے روکیں گے۔

اگر مسلمانوں کا یہ حال ہو تو ان کی مثال اس بستی کی سی ہوگی جس کے ہر باشندے میں صفائی اور
حفظانِ صحت کا احساس ہو۔ وہ نہ صرف اپنے جسم اور اپنے گھر کو صاف پاک رکھے بلکہ بستی میں جہاں کہیں
اور نجاست دیکھے اس کو دور کر دے، اور کسی جگہ گندگی و کثافت کے رہنے کا روادار نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ
ایسی بستی کی آب و ہوا پاک صاف رہے گی۔ اس میں امراض کے جراثیم پرورش نہ پائیں گے اور اگر شاذ و
نادر کوئی شخص کمزور اور مریض الطبع ہوگا بھی تو اس کا ہر وقت علاج ہو جائے گا؛ یا کم از کم اس کی بیماری
شخصی بیماری ہوگی، دوسروں تک متعدی ہو کر وبائے عام کی صورت نہ اختیار کر سکے گی۔

لیکن اگر مسلمانوں کی قوم اس بلند درجہ پر نہ رہ سکے، تو قوم کی دینی و اخلاقی صحت کو برقرار
رکھنے کے لیے کم از کم ایک ایسا گروہ تو ان میں ضرور موجود رہنا چاہیے جو ہر وقت اپنی خدمت پر مستعد رہے
اور اعتقاد کی گندگیوں اور اخلاق و اعمال کی نجاستوں کو دور کرتا رہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ رِجَالٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳: ۱۱) بلانے والی ہونے کی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔

یہ جماعت علماء اور اولی الامر کی جماعت ہے جس کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں منہمک رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا شہر کے محکمہ صفائی و حفظان صحت کا اپنے فرائض میں مستعد رہنا ضروری ہے اگر یہ لوگ اپنے فرض سے غافل ہو جائیں اور قوم میں ایک جماعت بھی ایسی باقی نہ رہے جو خیر و صلاح کی طرف دعوت دینے والی اور منکرات سے روکنے والی ہو تو دین و اخلاق کے اعتبار سے قوم کی تباہی اسی طرح یعنی جس طرح جسم و جان کے اعتبار سے اس بستی کی ہلاکت یعنی جس میں صفائی و حفظان صحت کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اگلی قوموں پر جو تباہیاں نازل ہوئی ہیں وہ اسی لیے ہوئی ہیں کہ ان میں کوئی گروہ بھی ایسا باقی نہ رہا تھا جو ان کو برائیوں سے روکتا اور خیر و صلاح پر قائم رکھنے کی کوشش کرتا۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ (۱۰: ۱۱) تم سے پہلے کی قوموں میں کم از کم ایسے اہل فضل ہی کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد سے روکنے والے ہوتے۔ بجز چند آدمیوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا کر نکال دیا۔ کیوں نہ ان کے علماء اور مشائخ نے ان کو بری باتیں کہنے اور حرام خوری کرنے سے باز رکھا۔ (۹: ۵) قَوْلِهِمْ كَلِّمُوا الْفِتْيَانَ

پس قوم کے علماء و مشائخ اور اولی الامر کی ذمہ داری بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ صرف اپنے ہی اعمال کے جواب دہ نہیں ہیں بلکہ پوری قوم کے اعمال کی جواب دہی بھی ایک بڑی حد تک ان پر عائد ہوتی ہے۔ ظالم جفا کار اور عیش پسند امراء اور ایسے امراء کی خوشامدیں کرنے والے علماء و مشائخ کا تو خیر کیا ہی کیا ہے ان کا جو کچھ شر خدا کے ہاں ہو گا اس کے ذکر کی حاجت نہیں لیکن جو امراء اور علماء و مشائخ اپنے محلوں اور اپنے گھروں اور اپنی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی داد دیتے رہے ہیں

وہ بھی خدا کے مال جو ابد ہی سے نہیں بچ سکتے۔ کیوں کہ جب ان کی قوم پر بہ طرف سے گمراہی اور بد اخلاقی کے طوفان اٹھے چلے آ رہے ہوں تو ان کا کام یہ نہیں ہے کہ گوشوں میں سر جھکائے بیٹھے رہیں بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ مرد میدان بن کر نکلیں اور جو کچھ زور اور اثر اٹھانے ان کو عطا کیا ہے اس کو کام میں لا کر اس طوفان کا مقابلہ کریں۔ طوفان کو دور کر دینے کی ذمہ داری بلاشبہ ان پر نہیں مگر اس کے مقابلہ میں اپنی پوری امکانی قوت صرف کر دینے کی ذمہ داری تو یقیناً ان پر ہے۔ اگر وہ اس میں دریغ کریں گے تو ان کی عبادت و ریاضت اور شخصی پرہیزگاری ان کو یوم الفضل کی جواب دہی سے بری نہ کر دیگی۔ آپ نے صفائی کے اس افسر کو بھی بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے جس کا حال یہ ہو کہ شہر میں تو دبا پھیل رہی ہے اور نذرانے آدمی ہلاک ہو رہے ہوں، اگر وہ اپنے گھر میں بیٹھا خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانے کی تدبیر نہ کرے تو عام شہری اگر ایسا کریں تو چندان قابل اعتراض نہیں۔ لیکن محکمہ صفائی کا افسر ایسا کرے تو اس کے مجرم ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا۔